محمد حنیف ندوی

ایمان اور اسلام کے اطلاقات

تین اہم نکات۔ اس بارے میں اچھا خاصہ اختلاف رائے ہے کہ لفظ اسلام و ایمان میں باہم ربط کیا ہے؟ کیا ایک ہی حقیقت کے یہ دو نام ہیں، یا ان دونوں میں کچھ فرق ہے۔ پھر اگر دونوں میں فرق ہے اور یہ جدا جدا معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ تو کیا یہ بالکل ہی جدا جدا ہیں یا ربط و اتصال کی کوئی نہ کوئی صورت ان میں پائی جاتی ہے۔ ابوطالب مکی نے اس مسئلہ پر جس انداز سے گفتگو کی ہے اس میں پریشان گوئی طوالت کے علاوہ سخت الجھاؤ بھی ہے۔ ہم اس کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ کئے دیتے ہیں جن لوگوں نے اس بحث پر نظر ڈالی ہے، وہ اس بات کی تائید کرینگے کہ دراصل یہاں تین نکتے ہیں جو وضاحت طلب ہیں:۔

(۱) لغت میں ان دونوں لفظوں کا اطلاق کن معنوں میں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس حد تک بحث کا رنگ لغوی ہے۔

(۲) شرعیات میں ان کا اطلاق کن معانی پر ہوا ہے۔

بحث کی یہ نوعیت تفسیری انداز کی ہے۔

(۳) عند الشرع مومن کو علم کے بارہ میں کیا حکم ہے۔

یہاں پہنچ کر گفتگو خالص فقہی پہلو اختیار کر لیتی ہے۔

اب ایک ایک نکتہ سے متعلق تفصیلات ملاحظہ ہوں:۔

لغوی اطلاق۔ جہاں تک لغوی اطلاق کا تعلق ہے صحیح نقطہ نظر یہی ہے کہ ایمان تعبیر ہے تصدیق قلبی سے۔

وما انت بمؤمن لنا۔ (یوسف ۱۷) اور آپ کو تو ہماری بات کا یقین آنے کا نہیں۔

اور اسلام بولا جاتا ہے تسلیم و رضا پر جس کا اظہار زبان و قلب سے بھی ممکن ہے اور اعضاء و جوارح سے بھی۔ لیکن تصدیق دل کی کیفیتوں کے ساتھ خاص ہے۔

اس اعتبار سے اسلام کا مفہوم عام ہوا اور ایمان کا متعین اور مخصوص۔ کیونکہ اسلام کا اطلاق تو اقرار باللسان پر بھی ہو سکتا ہے اور تصدیق بالجنان پر بھی۔ اسی طرح اعمال و جوارح کی اس حرکت و جنبش پر بھی اس کا اطلاق ممکن ہے جس سے کہ اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار ہو۔ مگر ایمان کا لفظ اس کیفیت ہی پر بولا جائے گا جس کا تعلق دل کی تصدیق سے ہے۔ گویا ہر ہر اسلام ایمان تو ہے، لیکن ہر ہر اسلام ضروری نہیں کہ ایمان کی خصوصیتوں سے بھی متصف ہو۔ شرعی اطلاق کا تقاضا یہ ہے کہ کہیں تو

دونوں لفظوں کو مترادف سمجھا جائے، کہیں مخالف اور کہیں متداخل۔

شرعی اطلاق اور ترادف کی مثالیں۔ ترادف کی مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

فاخرجنا من کان فیھا من المؤمنین فما وجدنا فیھا غیر بیت من المسلمین (ذاریات۔ ۳۶)

سو اُس بستی میں جتنے ایمان والے لوگ تھے ان کو تو ہم نے بستی سے نکال دیا اور ہم نے اس میں سوا مسلمانوں کے ایک گھر کے اور کوئی گھر پایا بھی نہیں

یا قوم ان کنتم امنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین۔ (یونس۔ ۸۴)

اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو شرط اسلام یہ ہے کہ اُسی پر بھروسہ رکھو۔

حدیث میں ہے :۔

بنی الاسلام علیٰ خمس۔

اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے

پھر ایک مرتبہ آپ سے ایمان کے بارہ میں دریافت کیا گیا۔ تو آپ نے انہیں پانچ چیزوں کا تذکرہ فرمایا۔

اختلاف کی مثال۔ ان دونوں میں اختلاف ہے اور یہ دو الگ الگ حقیقتوں سے تعبیر ہیں۔ اس کے لئے اس آیت پر غور کیجئے :

قالت الاعراب آمنا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا (حجرات۔ ۱۴)

عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یوں کہو کہ مسلمان ہو گئے۔

ایک حدیث میں ہے :۔

اعطی رجلاً عطاء ولم یعط الآخر فقال لہ سعد یا رسول اللہ ترکت فلانا لم تعطہ وھو مؤمن فقال صلی اللہ علیہ وسلم او مسلم فاعاد علیہ فاعاد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

آنحضرتؐ نے ایک شخص کو کچھ عطیہ دیا اور دوسرے کو نہ دیا۔ اس پر سعد نے کہا کہ یا رسول اللہ فلاں شخص کو آپ نے کچھ دیا نہیں حالانکہ وہ مومن ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا، کیا مسلمان ہے؟ اُنہوں نے لفظ مومن کا اعادہ کیا اور آنحضرتؐ نے اس کے بارہ میں مسلمان ہی کا لفظ استعمال فرمایا۔

تداخل کی مثال۔ تداخل کے لئے مندرجہ ذیل ایک ہی مثال کافی ہوگی۔ آنحضرتؐ سے پوچھا گیا کہ :۔

فقیل ای الاعمال افضل فقال صلی اللہ علیہ وسلم الایمان۔

اس پر آپ سے پوچھا گیا کہ بہترین عمل کونسا ہے، آپ نے فرمایا، اسلام۔ پھر دریافت کیا کہ اسلام میں کون بہترین ہے۔ فرمایا، ایمان۔

ان ہرسہ اطلاقات سے معلوم ہؤا کہ اسلام و ایمان کے یہ معانی اصلیہ ہیں۔ اور زبان و ادب اور شرعیات میں ان کا استعمال عام ہے۔

شرعی نقطۂ نظر سے مومن و مسلم کا کیا حکم ہے؟ رہی یہ بحث کہ عند الشرع مومن و مسلم کے بارہ میں کیا حکم ہے؟ تو اس کی دو قسمیں ہیں ایک حکم وہ ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے یعنی فقہ و قضا کے نقطۂ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہوگی۔ اور ایک یہ کہ عقبیٰ و آخرت میں اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ سر دست آخرت سے متعلق سنئے، جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ ایمان کی نعمت سے مالا مال ہو جاتا ہے، اور دوزخ کی

آگ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچ جاتا ہے۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے :۔

یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان۔ — جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ آگ میں نہیں رہے گا

لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ کس مرتبے کا اسلام یا ایمان باعثِ نجات ہوسکتا ہے۔

بعض لوگ تو اسے بالکل دل کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ بعض اس کے ساتھ ساتھ اقرار باللسان کو بھی ضروری ٹھہراتے ہیں۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ صرف اقرار کافی نہیں۔ اس کے لئے اعمال و جوارح میں بھی جنبش ہونا چاہیئے۔

پہلے اور دوسرے مرتبے کا اعلان۔ اس میں صحیح موقف یہ ہے۔ کہ ایمان کے متعدد مراتب ہیں :۔

پہلے مرتبے کا ایمان یہ ہے کہ اس میں یہ تینوں صفات پائی جائیں۔ اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ایسا شخص جنّت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کا پورا پورا استحقاق رکھتا ہے۔

دوسرے درجہ کا ایمان یہ ہے کہ اس میں تصدیق بالجنان اور اقرار باللسان تو ہو، لیکن تیسری شرط (یعنی اعمال) مکمّل طور پر موجود نہ ہو بلکہ زندگی کا ارتداد کچھ اس طرح ہو کہ نیکیوں کے ساتھ ساتھ بعض کبائر کا ارتکاب بھی اس میں پایا جاتا ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے ایسا شخص مخلد فی النار ہے۔ کیونکہ کبیرہ کے ارتکاب سے یہ حدودِ ایمان سے بہر آئینہ نکل گیا ہے۔ اگرچہ سرحدِ کفر میں اس نے قدم نہیں رکھا گویا اس کا مقام کفر و اسلام کے بین بین کہیں ہے ہم اس رائے سے متفق نہیں۔ کیوں نہیں؟ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تیسرے درجہ کا ایمان۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ تصدیق قلبی اگرچہ پائی جائے اور اقرار باللسان بھی ہو لیکن اعمال کا صفحہ خالی ہو۔

ابو طالب مکی نے اس کے بارہ میں بڑے غلو سے کام لیا ہے۔ اس کی یہ رائے ہے کہ ایمان بغیر اعمال کے مکمّل نہیں ہوتا۔ اس لئے مقبول نہیں۔ لطف یہ ہے کہ اس پر اس نے اجماعِ اُمت کا حوالہ دیا ہے۔ اور جو دلیل پیش کی ہے اس سے خود اس کے مقصد کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً اس کا استدلال اس طرح کی آیات سے ہے :۔

الا الذین آمنوا وعملوا الصّٰلحت۔ (عصر ۳) — مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے۔

مدارِ استدلال یہ نکتہ ہے کہ یہاں صرف ایمان پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ اعمالِ صالحہ کو بھی ضروری سمجھا گیا ہے۔ حالانکہ یہی بات ان کے خلاف جاتی ہے۔ کیونکہ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اعمال اور شے ہیں اور ایمان اور شے۔

بغیر انکار کے فتوے تکفیر غلط ہے۔ اجماع کا نقل کرنا بھی صحیح نہیں، جب کہ آنحضرتؐ کی یہ حدیث بھی بہتوں نے خود ہی بیان کی ہے :۔

لا تکفر احدٌ الا بعد جحودہٖ لما اقر بہ۔ — کوئی شخص کسی کی تکفیر نہ کرے جب تک کہ وہ اس چیز کا انکار نہ کرے جس کا کہ وہ اقرار کر چکا ہے۔

مزید برآں معتزلہ کی یہ اس مسئلہ میں تردید بھی کرتے ہیں۔ کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے۔ اور حالت یہ ہے کہ خود جو کچھ کہتے ہیں اس سے بھی مترشح ہوتا ہے۔ کہ ان کے مسلک میں اور معتزلہ کے مسلک میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ اگر اعمال ضروری ہیں اور

تصدیق قلب اور اقرار باللسان نجات کے لئے کافی نہیں۔ تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ وہ معتزلہ کی طرح اعمال کی اثراندازیوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، تب ہماری رائے کی تائید ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص اگر اسلام کی حقانیت کا دل سے قائل ہے۔ اقرار باللسان کی توفیق بھی اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔ لیکن یا تو تارک صلوٰۃ ہے۔ یا زنا وغیرہ ایسے کبائر کا اس سے ارتکاب ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں دو ہی موقف اختیار کئے جا سکتے ہیں۔ یا تو ان کی رائے یہ ہوگی کہ ایسا شخص فاسق ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا سزاوار ہے۔ اور یا یہ کہ تخلید فی النار کا حکم اس سے متعلق صحیح نہیں۔ پہلی صورت میں یہ رائے بعینہٖ معتزلہ کی رائے ہوگی۔ اور دوسری صورت میں اس کے یہ معنی ہونگے کہ یہ بھی اعمال کو ایمان کا نہ تو رکن رکین قرار دیتے ہیں اور نہ اس کے لئے اس کو ضروری شرط گردانتے ہیں، اور یہی ہم کہتے ہیں۔

اگر ابو طالب اس پر یہ کہیں کہ فاسق سے مراد ایسا شخص ہے کہ جس کو زندگی کی طویل العہد مہلتیں میسر ہوں مگر اس کے باوجود وہ مسلسل نماز نہ پڑھے۔ اور نہ دوسرے امور شرعیہ کو ادا ہی کرے۔ تو ہم اس سے پوچھیں گے کہ کتنی نمازوں کا ترک کسی شخص کو مستوجب نار ٹھہراتا ہے۔ اور کتنی علی نافرمانیاں ایسی ہیں کہ جن پر خلود فی النار کا فتویٰ دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کوئی شخص بھی اس کی ٹھیک ٹھیک مقدار کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔

چوتھے اور پانچویں درجہ کا ایمان۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ جہاں تک اسلام کی حقانیت کا تعلق ہے ایک شخص دل سے اس کا قائل ہے لیکن موت نے اس کو نہ تو اس بات کی مہلت دی، کہ یہ تصدیق زبان تک آسکے۔ اور نہ اس کا موقع ہی ملا کہ اسلامی احکام و نواہی پر عمل پیرا ہو سکے۔ اس درجہ میں اختلاف رائے ہے۔ جو لوگ اقرار باللسان کو ایمان کی ضروری شرط قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی موت ایمان سے قبل ہوئی۔ لیکن ہم کہیں گے کہ یہ شخص تخلید فی النار کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا دل ایمان کی یقین افروزیوں سے معمور ہے اور نجات کے لئے تصدیق قلبی ہی اصلی معیار ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

یخرج من النار من کان فی قلبه مثقال ذرة من الایمان۔ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

حدیث جبریل میں بھی سوائے تصدیق کے اور کسی چیز کو ایمان کی شرط نہیں ٹھہرایا گیا۔

پانچواں درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص دل سے تو اسلام کی سچائیوں کو تسلیم کرتا ہے اور اقرار و عمل کی مہلتیں بھی اسے ملی ہیں لیکن جس طرح ایک شخص وجوب صلوٰۃ کا قائل ہونے کے باوجود نماز نہیں پڑھتا اسی طرح اس سے تساہل ہو گیا۔ اور یہ اقرار و عمل کی نعمت سے مالامال نہ ہو سکا۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شخص مخلد فی النار نہیں۔ کیونکہ اصلی چیز ایمان ہے جس کا تعلق کہ تصدیق قلبی سے ہے اور یہ اس کے دل میں موجود ہے۔ رہا اقرار تو وہ اسی تصدیق کی ترجمانی سے تعبیر ہے۔ کوئی الگ اور مستقل بالذات حقیقت نہیں۔ پھر جس طرح فعل واجب کے سلسلہ میں کوتاہی اور تساہل انکار و انعدام کا موجب نہیں ہو پاتا۔ اسی طرح تصدیق قلبی اگر زبان تک اثرانداز نہیں ہوتی تو اس سے یہ تصدیق باطل نہیں ہو جاتی اور نہ ایمان ہی معدوم ہوتا ہے۔

بعض لوگ قول و اقرار کو ایمان کا ایک رکن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اقرار کی یہی حقیقت نہیں کہ وہ تصدیق

قلبی کا ترجمان ہے۔ بلکہ یہ ایک علیحدہ مقابست اور التزام کا اظہار ہے جس پر کہ بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں۔

ہمارے نزدیک پہلی رائے زیادہ صائب ہے۔ بعض مرجئہ نے اس معاملہ میں بے حد غلو کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مخلد فی النار ہونا تو دوسری بات ہے ایسا شخص سرے سے جہنم میں جائے گا ہی نہیں۔ کیونکہ مومن اگرچہ عاصی اور گناہ گار ہو بہر حال بخشا جائے گا۔ یہ عقیدہ غلط ہے۔ جیسا کہ آگے چل کر ہم بتائیں گے۔

چھٹے درجہ کی وضاحت۔ چھٹا درجہ یہ ہے کہ زبان سے تو توحید و رسالت کا اقرار کرے، لیکن دل ایمان کی چاشنی اور حلاوت سے محروم ہو۔ ایسا شخص آخرت و عقبیٰ کے نقطہ نظر سے تو قطعی کافر ہے۔ اور تخلید نار کا مستحق ہے۔ لیکن امور دنیا میں چونکہ آئمہ اسلام اور قاضی یہ نہیں جانتے کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ لہٰذا اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور اسی حسن ظن کی بنا پر اس سے معاملہ کیا جائے گا۔ یعنی سمجھا یہ جائے گا کہ اس نے زبان سے جو اقرار کیا ہے۔ تو وہ یوں ہی نہیں۔ ضرور اس کے دل میں اسلام کی حقانیت موجزن ہوگی۔

لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ ایک ایسا ہی شخص جس کے دل میں ایمان کی حقیقت موجود نہیں ہے اور بظاہر مسلمان ہے۔ اتفاق سے اس کا کوئی قریبی مر جاتا ہے۔ اور بحیثیت وارث کے اس کے ہاتھ بہت بڑی جائداد آ جاتی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ گو میں پہلے مسلمان نہیں تھا مگر اب پورا پورا مسلمان ہوں۔ اسی طرح ایسا ہی شخص کسی مسلمان عورت سے نکاح کر لیتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ فی الواقع اسلام کو ایک سچا دین سمجھنے لگتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں اسے جائداد لوٹا دینا چاہئے۔ نکاح کا اعادہ کرنا چاہئے یا نہیں۔ اس میں دو رائیں ہیں۔ ایک یہ کہ احکام شرع کا تعلق ظاہر سے ہے۔ اس لئے اگر ظاہر کی طرف سے اطمینان ہے تو ان کو باطناً بھی نافذ ہی سمجھا جائیگا۔ دوسری رائے یہ ہے کہ دوسرے کے حق میں تو ظاہراً اور باطناً اس بنا پر ان کو نافذ ٹھہرانا درست ہے کہ کوئی شخص بھی دوسروں کی قلبی کیفیات سے واقف نہیں۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ اپنے نفاق پر مطلع ہوتے ہوئے بھی کوئی شخص ان احکام کو اپنے حق میں ظاہراً و باطناً جائز تسلیم کرے۔ لہٰذا صحیح موقف یہی ہے کہ ایسا شخص جائداد واپس کر دے اور نکاح کا اعادہ کرے۔ کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ جس وقت مورث مرا ہے اس وقت یہ مومن نہیں تھا۔ اسی طرح جس وقت اس نے ایک مسلمہ سے نکاح کیا تھا۔ اس وقت اس کا دل اسلام پر مطمئن نہیں تھا۔ یہی مسلک صحیح ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت حذیفہؓ منافقین کے جنازوں میں شرکت نہیں کرتے تھے اور حضرت عمرؓ بھی جب حضرت حذیفہ کسی کے نماز جنازہ میں شریک نہ ہوں تو شریک نہیں ہوتے تھے۔ نماز اگرچہ عبادات سے ہے لیکن اس کا تعلق بہر حال ظواہر ہی سے ہے۔ اس لئے اس کو منافقین کے حق میں درست نہیں سمجھا گیا۔ نماز ہی کی طرح مال حرام سے احتراز بھی منجملہ ان احکام کے ہے کہ جن کی رعایت رکھنا بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے:۔

طلب الحلال فریضة بعد الفریضة۔ — حلال کی طلب و جستجو دوسرے فرائض کے ساتھ ساتھ ایک فریضہ ہے

سوال یہ ہے کہ مرجئہ کو کس بنا پر غلط فہمی پیدا ہوئی۔ اور انہوں نے کیوں تنہا ایمان کو نجات کے لئے کافی سمجھا؟ غالباً ان کے پیش نظر مندرجہ ذیل آیات کا عموم ہے:۔

فمن یؤمن بربه فلا یخاف بخسا ولا رهقا (جن: ۱۳) — جو شخص بھی اپنے رب پر ایمان لائیگا اس کو نہ کسی نقصان کا ڈر ہوگا اور نہ زور و ظلم کا۔

والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون۔ (حدید۔ ۱۹)
اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسولوں کو تسلیم کیا یہی لوگ درحقیقت صدیق ہیں۔

من جاء بالحسنۃ فلہ خیر منھا، وھم من فزع یومئذٍ آمنون۔ (نمل۔ ۸۹)
جو شخص نیک عمل لے کر حاضر ہوگا تو اس کو اسے بہتر صلہ ملے گا، اور ایسے لوگ خوف وخطر سے بھی امن میں ہونگے۔

لیکن ان عموم سے استدلال کرنا اس لئے صحیح نہیں ہے کہ قرآن نے جہاں جہاں ایمان کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے متضمنات میں عمل صالح پہلے سے داخل ہے۔ قرآن کی ان متعدد آیات واحادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے جن میں عذاب اور اس کی نوعیت ومقدار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

مثلاً ابھی ابھی یہ حدیث بیان کی گئی ہے :۔

یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من الایمان۔ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ جہنم میں نہیں رہے گا۔

اب اگر یہ مفروضہ صحیح ہو کہ مومن سرے سے جہنم میں داخل ہی نہیں ہو پائیگا۔ تو یہ نکلنا کیسا؟ اور نہ رہنا کیسا؟

قرآن میں ہے :۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔ (نساء۔ ۴۸)
اللہ شرک تو معاف کرنے والا نہیں، ہاں اس کے سوا جو گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔

اس میں استثناء سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو جہنم میں جائیں گے۔ اگرچہ آخر میں ان کی مغفرت عمل میں لائی جائیگی

دوسری جگہ فرمایا :۔

الا ان الظالمین فی عذاب مقیم۔ (شوریٰ۔ ۴۵) جان لو کہ ظالم قطعاً ہمیشہ کے عذاب میں رہیں گے۔

یہاں ظاہر ہے ظالم سے مراد کافر ہی نہیں، نام نہاد مسلمان بھی ہیں۔

ایک آیت میں ہے :۔

ومن جاء بالسیئۃ فکبت وجوھھم فی النار۔ (نمل۔ ۹۰) اور جو برائیاں لیکر آئینگے وہ اوندھے منہ جہنم میں دھکیل دئے جائیں گے

زیادہ صراحت سے یہ مفہوم اس آیت میں وارد ہوا ہے :۔

وان منکم الا واردھا۔ (مریم۔ ۷۱) اور تم میں کے ہر ایک کو اس میں وارد ہونا ہے۔

اس سے کھلے بندوں معلوم ہوتا ہے کہ ہر ہر شخص کو اپنے گناہوں کی پاداش میں ایک دفعہ تو جہنم میں جانا ہی ہوگا۔

یہ دونوں انداز کی آیات کا ایک تناسب ہے۔ ان میں تطبیق کی یہی شکل نظر آتی ہے، کہ دونوں طرح کے عمومات پر کلیۃً بھروسہ نہ کیا جائے۔ بلکہ ان میں تخصیصات کو بہر آئینہ مقدم مانا جائے۔ اسی طرح کے عمومات کو دیکھ کر اشعری اور بعض متکلمین اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس نہج کے عمومات کا اعتبار نہیں۔ اور تنہا ان پر استدلال کی عمارت نہیں اٹھانا چاہیئے۔ بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ دوسرے قرائن سے

کن معنوں کی تعیین ہوتی ہے۔

معتزلہ کی غلطی۔ جس طرح مرجئہ نے عمومات بلاتخصیص سے ٹھوکر کھائی ہے، اسی طرح معتزلہ نے یہ کہہ کر ٹھوکر کھائی ہے کہ کبائر کا مرتکب مخلد فی النار ہے۔ ان کا مدار استدلال ان آیات پر ہے :۔

وانی لغفار لمن تاب و آمن واصلح وعمل صالحاً ثم اھتدیٰ۔ (طہ۔ ۸۲)	اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرے پھر راہِ راست پر قائم بھی رہے تو ہم اس کے گناہوں کے بڑے بخشنے والے ہیں
والعصر ان الانسان لفی خسر، الا الذین امنوا و عملوا الصٰلحٰت۔ (العصر۔ ۱)	عصر کی قسم سارے ہی انسان خسارے میں ہیں، سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام بھی کئے۔
ومن یعص اللہ ورسولہ فان لہ نار جہنم۔ (جن۔ ۲۳)	اور جو خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لئے جہنم کی آگ ہے
ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جہنم خالداً فیھا۔ (نساء۔ ۹۳)	اور جو شخص مسلمان کو دیدہ و دانستہ مار ڈالے گا تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

لیکن اگر پورے قرآن پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ان عمومات میں بھی تخصیصات کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا واضح ارشاد ہے :۔

ویغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء (نساء۔ ۴۸)	ہاں سوا جو گناہ جس کو چاہے معاف کردے۔

یعنی شرک کے علاوہ ہر ہر معصیت کو معاف کردینے کا اسے اختیار ہے۔

پھر جب اعمال کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی تصریحات اس قبیل کی ہیں۔ کہ :۔

انا لا نضیع اجر من احسن عملاً۔ (کہف۔ ۳۰)	جو شخص نیک عمل کرے ہم اس کے اجر کو ضائع نہیں ہونے دیا کرتے
ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔ (توبہ۔ ۱۲۰)	نیکی کرنے والوں کے اجر کو اللہ ضائع نہیں ہونے دیتا۔

تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک کبیرہ کے ارتکاب سے وہ نفسِ ایمان اور دوسری تمام نیکیوں کو برباد کردے۔

اس پوری بحث سے معلوم ہوا کہ اصل ایمان یعنی تصدیق جنان اور قلبی اطمینان کا نام ہے۔ لیکن اگر یہ مفروضہ صحیح ہے تو پھر سلف کے اس قول کا کیا مطلب ہے :۔

الایمان عقد وقول وعمل۔	ایمان معاہدہ، اقرار اور عمل سے تعبیر ہے۔

جواب یہ ہے کہ ایمان مقصود مکملات کا بیان کرنا ہے؟ حقیقت ایمان اگرچہ یہی ہے کہ انسان دل میں اسلام کے بنیادی و اساسی عقائد کی سچائی کو تسلیم کرتا ہو تاہم اس ایمان کی جن اجزاء سے تکمیل ہوتی ہے ان میں اقرار اور عمل بھی داخل ہے اس کو یوں سمجھنے کی کوشش کیجیئے کہ اگر کوئی شخص مثلاً یہ کہے کہ سر اور ہاتھ پاؤں انسانیت کا جزو ہیں، تو اس کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ ہاتھ پاؤں اور سر ایک ہی مرتبہ کے اجزاء ہیں۔ کیونکہ سر کے بغیر تو کسی زندہ انسان کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا جبکہ یہ ممکن

ممکن ہے کہ ایک شخص زندہ ہو اور اس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں۔ اس مثال کی روشنی میں ایمان کو بمنزلہ سر اور اقرار و عمل کو اس کے ضروری اعضاء و جوارح قرار دیجئے۔

یہی مطلب ہے اس حدیث کا :—

لا یزنی الزانی وھو مؤمن۔ زانی ایمان کی حالت میں زنا کا ارتکاب نہیں کرتا۔

کہ اس وقت اس کا ایمان وہ نہیں ہوتا۔ اور اتمام کی اس سطح پر فائز نہیں ہوتا کہ اس کو اس طرح کے گناہ سے روک دے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ صحابہ نے کبھی بھی زانی کو معتزلہ کی طرح حدود ایمان سے خارج تصور نہیں کیا۔ یہی نہیں بلکہ ہمیشہ اس کو مسلمان سمجھا ہے۔ اور مسلمان ہی سمجھ کر اس کو سزا بھی دی ہے۔ ورنہ سزا و تعزیر کے استحقاق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مطبوعات بزم اقبال

مجلہ اقبالؒ۔ مدیر:۔ ایم۔ ایم شریف۔ بشیر احمد ڈار
سہ ماہی اشاعت۔ دو انگریزی اور دو اردو شماروں میں قیمت سالانہ دس روپے۔ صرف اردو یا انگریزی شمارے پانچ روپے ۸/

میٹا فزکس آف پرشیا۔ (انگریزی) مصنفہ علامہ اقبالؒ		۵ ۰ ۰
ذکر اقبالؒ۔	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵ ۰ ۰
اقبالؒ اور مُلّا۔	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	ـہ ۱۲ ۰
مکاتیب اقبالؒ۔	بنام خان محمد نیاز الدین خاں مرحوم	۱ ۴ ۰
تقاریر یوم اقبالؒ۔	۱۹۵۴ء	۱ ۴ ۰
علامہ اقبالؒ۔	مترجمہ صوفی غلام مصطفےٰ تبسم	۱ ۸ ۰

ملنے کا پتہ

سکرٹری بزم اقبال و مجلس ترقی ادب۔ ۲ نرسنگھ داس گارڈن۔ کلب روڈ۔ لاہور